

مومن خان مومن (غزل نمبر 2)

شعر نمبر 1:

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم
تشریح: حکیم مومن خان مومن اردو کے مشہور غزل گو شاعر تھے۔ وہ غالب کے ہم عصر اور دوست تھے۔ غم عشق اور غم زمانہ پر مبنی مومن کے اشعار زندگی کی محبتوں کے عکاس بھی ہیں اور حقیقتوں کے ترجمان بھی۔

زیر تشریح شعر میں مومن کہتے ہیں کہ ”ہم نے پکارا وہ کیا تھا کہ ہم اُس سے نہیں ملیں گے لیکن کیا کریں کہ ہم دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئے ہیں۔“
مولانا محمد حسین آزاد اپنی تصنیف ”آب حیات“ میں مومن کی اس غزل کا پس منظر بتاتے ہیں کہ ”جہاد“ کے مسئلہ پر مومن اور مولانا فضل حق خیر آبادی میں اختلاف ہو گیا جس پر دونوں دوست ناراض ہو گئے۔ بعد میں دوسرے احباب کی مداخلت سے جب صلح ہو گئی تو مومن نے یہ غزل کہہ کر مولانا کی خدمت میں پیش کی۔

بسا اوقات محبت یاد دہانی کے رشتے میں محبت کرنے والوں کو بہت سی تکلیفیں اور دکھ اٹھانے کے باوجود محبوب یاد دوست سے بے وفائی اور جدائی کا سامنا کرنا پرتا ہے تو بالآخر وہ عشق و محبت اور دوستی ختم کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں۔ مومن خان مومن کا موقف بھی یہی ہے کہ ہم نے مجبور ہو کر یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ ہم محبوب یاد دوست سے نہیں ملیں گے۔ اگر محبوب یاد دوست کو وفاداری کا پاس نہیں ہے تو ہم بھی دوستی اور محبت کا لحاظ نہیں کریں گے اور ہم بھی آئندہ اُس سے ملاقات یا تعلق نہیں رکھیں گے۔ مومن خان مومن کا کہنا ہے:

جب پاس وفا اُسے ہمارا نہ رہا
ہم کو بھی خیال دوستی کا نہ رہا

انسان محبوب یا قریبی دوست سے ترک تعلق کا ارادہ تو کر لیتا ہے لیکن اس کے لیے محبوب یاد دوست سے رشتہ توڑنا آسان نہیں ہوتا۔ مومن کا یہ کہنا ہے کہ ہم نے یہ طے کر لیا تھا کہ اب اس سے نہیں ملیں گے لیکن ہم اپنے اس فیصلے پر قائم نہیں رہ سکے بلکہ ہم اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئے۔ تعلقات کی نوعیت بعض اوقات بڑی عجیب و غریب ہوتی ہے۔ خاص طور پر ایسے تعلقات جن کی بنیاد محبت پر استوار ہو، جو خلوص اور وفاداری کی بنیاد پر قائم ہوں وہ عارضی طور پر کسی غلط فہمی کی بنیاد پر ٹوٹ بھی جائیں تو فریقین ایک دوسرے کی کمی بہر حال محسوس کرتے ہیں۔ ایسے میں انسان ترک دوستی کا ارادہ تو کرتا ہے لیکن وہ اپنے دوست یا محبوب کو بھول نہیں پاتا بلکہ وہ اسے پہلے سے بڑھ کر یاد آنے لگتا ہے۔ حسرت موہانی کا کہنا ہے:

جہاں تک انھیں ہم بھلاتے رہے ہیں
وہ کچھ اور بھی یاد آتے رہے ہیں

مومن خان مومن کا موقف یہ ہے کہ ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب اس سے نہیں ملنا لیکن ہم دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئے ہیں۔ ہمارا دل محبوب یاد دوست سے تعلق توڑنے پر راضی نہیں ہے کیوں کہ دل کی دنیا کا اپنا الگ ہی دستور ہوتا ہے۔ دل کے فیصلے عقل کے تابع نہیں ہوتے۔ لہذا ہم لاکھ کوششوں کے باوجود بھی محبوب یاد دوست کو بھول نہیں پائے۔ ناسخ کا کہنا ہے:

وہ نہیں بھولتا جہاں جاؤں
ہائے میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟

عدم کا کہنا ہے:

روز کہتا ہوں بھول جاؤں تجھے
روز نہ بات بھول جاتا ہوں

شعر نمبر 2:

ہنتے جو دیکھتے ہیں، کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں، کس بے کسی سے ہم

تشریح: حکیم مومن خان مومن اردو کے مشہور غزل گو شاعر تھے۔ وہ غالب کے ہم عصر اور دوست تھے۔ غم عشق اور غم زمانہ پر مومن کے اشعار زندگی کی محبتوں کے عکاس بھی ہیں اور حقیقتوں کے ترجمان بھی۔

زیر تشریح شعر میں مومن کہتے ہیں کہ ”ہم جب کسی کو کسی سے ہنتا دیکھتے ہیں تو ہم اُن کا منہ دیکھ دیکھ کر بہت بے کسی سے روتے ہیں۔“ دوسروں کو خوش دیکھ کر انسان کو اپنی محرومیاں یاد آ جاتی ہیں۔ انسان جب دوسروں کو کسی نعمت سے مستفید ہوتے دیکھتا ہے تو اسے اپنی مجبوری کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ مومن خان مومن بھی اسی نفسیاتی کیفیت کا اظہار کرتے ہیں کہ جب لوگ ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر ملتے ہیں تو ہمیں پچھڑے ہوئے دوست یاد آتے ہیں اور ہمارا غم مزید گہرا ہو جاتا ہے۔ انسان جس شخص سے جتنی محبت کرتا ہو اس کے بارے میں اتنا ہی حساس ہو جاتا ہے اور اس سے دوری اتنے ہی دکھ کا باعث بنتی ہے۔ عدم کا کہنا ہے:

گلے آپس میں جب ملتے ہیں دو پچھڑے ہوئے ساتھی
عدم ہم بے سہاروں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے

انسانی فطرت ہے کہ معاشرتی زندگی گزارتے ہوئے انسان ہر وقت دوسروں سے اپنا تقابل کرتا رہتا ہے۔ اور جہاں کہیں وہ خود کو دوسروں سے کم تر پاتا ہے، اس کی تلافی کرنا چاہتا ہے۔ مومن کا یہ کہنا ہے کہ جب ہم لوگوں کو آپس میں ہنتا بولتا دیکھتے ہیں تو احساس محرومی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں اپنے گہرے تعلقات کی کمی کا احساس بھی ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ہمیں رونا آتا ہے۔ بقول غالب:

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے
ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے

”کسی کا کسی سے ہنسنا“ سے مراد اگر محبوب کا رقیب سے ہنسنا لیا جائے تو اس صورت میں مومن خان مومن کا یہ کہنا ہے کہ جب ہمارا محبوب یا دوست رقیب سے ہنسی خوشی ہنتا بولتا ہے تو یہ منظر ہمارے لیے بہت تکلیف دہ اور اذیت ناک ہوتا ہے اور ہم بے کسی اور بے بسی کے عالم میں اُن کا منہ دیکھ دیکھ کر اپنی تنہائی اور اکیلے پن پر روتے رہتے ہیں۔ مومن خان مومن کا کہنا ہے:

بس نہیں چلتا میرا ناچار ہوں
دیکھتا حسرت سے سو سو بار ہوں

مومن خان مومن کا کہنا ہے:

کوئی نہ رہا کہ پوچھے آنسو
کیا روؤں میں اپنی بے کسی کو

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان جب اپنے محبوب یا گہرے دوست کو اوروں میں ہنتا مسکراتا دیکھتا ہے تو انسان کو اپنی بے بسی پر رونا آتا

ہے۔ یعنی محبوب کا اوروں میں ہنسنا انسان کو لانے کا سبب بن جاتا ہے۔ خاص طور پر جب انسان کی محبوب سے ناراضی چل رہی ہو تو اس موقع پر محبوب کا کسی دوسرے سے ہنسنا مسکرائنا انسان کو اتنا بے بس و بے کس کر دیتا ہے کہ انسان بالآخر رونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بقول میر تقی میر:

ہم سے تو تم کو ضد سی پڑی ہے، خوا مخواہ رلاتے ہو
آنکھ اٹھا کر جب دیکھے ہیں، اوروں میں ہنستے جاتے ہو

شعر نمبر 3:

ہم سے نہ بولو تم، اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجیے پوچھتے ہیں، آپ ہی سے ہم

تشریح: حکیم مومن خان مومن اردو کے مشہور غزل گو شاعر تھے۔ وہ غالب کے ہم عصر اور دوست تھے۔ غم عشق اور غم زمانہ پر مومن کے اشعار زندگی کی محبتوں کے عکاس بھی ہیں اور حقیقتوں کے ترجمان بھی۔

زیر تشریح شعر میں مومن کہتے ہیں کہ ”ہم سے نہ بولو تم“ اسے کیا کہتے ہیں؟ ہمارے ساتھ کی جانے والی نا انصافی پر ہم آپ ہی کو منصف بناتے ہیں۔“

تشریح طلب شعر کے دو پہلو ہیں۔ اگر ”ہم سے نہ بولو تم“ سے مراد محبوب یا دوست کا بات چیت یا گفتگو ختم کرنا لیا جائے تو اس صورت میں مومن خان مومن کا یہ کہنا ہے کہ آپ نے جو ہم سے بات چیت کا سلسلہ ختم کر دیا ہے اور تعلق توڑ دیا ہے تو آپ ہی بتائیے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں آپ سے کلام نہ کروں۔ انسانی تعلقات کے حوالے سے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ انسان تعلقات کی پائیداری کا خواہش مند ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ اس لیے انسان بعض اوقات اپنے مسائل کا حل اُن مسائل کے پیدا کرنے والے سے پوچھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ حسرت موہانی کا کہنا ہے:

تمہیں انصاف کرو تم سے جدا رہ کے بھلا
عمر آرام سے کس طرح گزارے عاشق

تشریح طلب شعر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ”ہم سے نہ بولو تم“ محبوب یا دوست کا جملہ ہے۔ محبت کرنے والا جب محبوب سے بات چیت یا گفتگو کرنا چاہتا ہے تو محبوب اپنی فطری بے نیازی اور بے رنجی دکھاتے ہوئے یہ جواب دیتا ہے کہ تم ہم سے بات نہ کیا کرو۔ محبت کرنے والوں اور دوستوں کے لیے محبوب یا گہرے دوست کا یہ جملہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ حسرت موہانی نے اپنے ایک شعر میں یہی صورت حال بڑے خوب صورت انداز میں بیان کی ہے۔ حسرت کا کہنا ہے:

شرما کے بولے بھی تو کیا، ”ہم سے نہ بولو“
کیا خوب تری چھیڑ کا حسرت یہ صلہ ہے

جب محبوب یا گہرا دوست انسان کو گفتگو اور بات چیت سے منع کر دے تو انسان لا جواب ہو جاتا ہے۔ اُسے کچھ نہیں سمجھ آتا کہ وہ محبوب یا دوست کے اس جملے پر کیا تبصرہ کرے۔ چنانچہ مومن خان مومن یہ کہتے ہیں کہ جو آپ نے ہمیں کچھ بولنے سے منع کر دیا ہے تو ہم آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خاموش اور لا جواب ہو گئے۔ چوں کہ ہم آپ کے اس جملے کے آگے لا جواب ہو گئے ہیں اس لیے ہم آپ سے ہی پوچھتے ہیں کہ آپ ہی انصاف سے یہ بتادیں کہ آپ کا یہ کہنا ہمارے لیے کتنا تکلیف دہ ثابت ہوا ہوگا۔ داغ دہلوی کا کہنا ہے:

جب میں کروں سوال تو کہتے ہو ”چپ رہو“
کیا بات ہے، جواب نہیں اس جواب کا

مرزا غالب کا کہنا ہے:

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ ”تُو کیا ہے؟“
تہی کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟

شعر نمبر 4:

بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے
شاہد شکایتوں پہ تیری مدعی سے ہم

تشریح: حکیم مومن خان مومن اردو کے مشہور غزل گو شاعر تھے۔ وہ غالب کے ہم عصر اور دوست تھے۔ غمِ عشق اور غمِ زمانہ پر مومن کے اشعار زندگی کی محبتوں کے عکاس بھی ہیں اور حقیقتوں کے ترجمان بھی۔

زیر تشریح شعر میں مومن کہتے ہیں کہ ”اگر ہم زندگی سے اکتانہ چکے ہوتے تو ہم تیری شکایتوں پہ مدعی سے گواہ طلب کرتے۔“
عشق و محبت میں یہ اکثر ہوتا ہے کہ رقیب عاشق کے خلاف محبوب کے کان بھرتا ہے۔ رقیب کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ عاشق کو محبوب کی نظروں سے گرا دے۔ اسی لیے وہ عاشق کی بہت سی بُرائیاں اور خامیاں محبوب کے سامنے بیان کرتا ہے۔ دراصل رقیب محبوب کے سامنے عاشق کے غلط ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ داغ دہلوی نے اپنے ایک شعر میں رقیب (دُشمن) کی اس حرکت کی نشاندہی کی ہے کہ وہ محبوب کو عاشق کے خلاف پٹیاں پڑھاتا رہتا ہے۔ داغ کا کہنا ہے:

سکھانے، پڑھانے کو ہیں دوست دُشمن
یہاں کیسے کیسے، وہاں کیسے کیسے

رقیب جب محبوب سے عاشق کی بُرائیاں بیان کرتا ہے تو محبوب رقیب کی باتوں پر یقین کرتے ہوئے اپنے خیال میں عاشق کو غلط سمجھنے لگتا ہے اور عاشق سے ملتے ہی وہ عاشق پر برس پڑتا ہے اور محبوب عاشق سے وہ سارے گلے شکوے اور شکایتیں کرتا ہے جو اُسے رقیب نے پڑھائی ہوتی ہیں۔ یہ صورت حال عاشق کے لیے بہت تکلیف دہ ہوتی ہے کہ جب محبوب رقیب کی باتوں پر یقین کرتے ہوئے اُسے بُرا بھلا کہنا شروع کر دیتا ہے۔ لیکن رقیب اس صورتحال کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ داغ دہلوی کا کہنا ہے:

وہ دُشنام لاکھوں مجھے دے رہے ہیں
مزے لینے والے مزے لے رہے ہیں

مومن خان مومن کا کہنا یہ ہے کہ میں محبوب کے رویے سے اس قدر بددل ہو چکا ہوں کہ اب جینے کی کوئی خواہش ہی نہیں رہی۔ محبوب جب غیروں کے سمجھانے پر روز روز الجھتا، آئے دن جھگڑتا، بات بات پر گلے شکوے کرتا ہے تو ہم اپنی زندگی سے بیزاری محسوس کرتے ہیں۔ یعنی محبوب کا روٹھنا اور اُس کی خفگی ہمارے لیے جان سے بیزاری کی وجہ ہے۔ ذوق کا کہنا ہے:

وہ جو روٹھیں یوں منانا چاہیے
زندگی سے روٹھ جانا چاہیے

داغ دہلوی کا کہنا ہے:

رنجش مری بڑھ کر ہے تمہاری ننگی سے

میں جان سے بیزار ہوں، تم مجھ سے خفا ہو

مومن کا کہنا ہے کہ میرے دوست یا محبوب کو مجھ سے کچھ شکایات ہیں، ان کی وضاحت بھی ممکن ہے۔ میرے پاس اپنی بے گناہی کے ثبوت موجود ہیں۔ اس ضمن میں مدعی کو جواب بھی دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ایسا تو وہ کرے جو زندہ رہنا چاہتا ہو۔ اگر میں زندگی سے تنگ نہ ہوتا تو مدعی سے ان باتوں کا گواہ طلب کرتا جو اُس نے میرے خلاف بیان کی تھی۔ چوں کہ ہم محبوب کے رویے سے اس قدر بددل ہو چکے ہیں کہ اب جینے کی کوئی خواہش نہیں ہے اس لیے ہمیں کسی گواہ کا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ حسرت موہانی کا کہنا ہے:

ہم کو اُن سے نہ دل کا دعویٰ

نہ گواہی، نہ شہادی سے غرض

شعر نمبر 5:

بے روئے مثلِ ابر نہ نکلا غبارِ دل

کہتے تھے ان کو برقِ تبسمِ ہنسی سے ہم

تشریح: حکیم مومن خان مومن اردو کے مشہور غزل گو شاعر تھے۔ وہ غالب کے ہم عصر اور دوست تھے۔ غمِ عشق اور غمِ زمانہ پر مبنی مومن کے اشعار زندگی کی محبتوں کے عکاس بھی ہیں اور حقیقتوں کے ترجمان بھی۔

زیر تشریح شعر میں مومن کہتے ہیں کہ ”ہمارے دل کا غبارِ بادل کی طرح روئے بغیر نہیں نکلا۔ حالاں کہ ہم اُن کے ہنسنے کو مذاق میں بجلی کے چمکنے سے مطابقت دیتے تھے۔“

انسان کے دل کو کوئی صدمہ پہنچے، کوئی بے رخی دکھائے، کوئی زخم پہنچائے تو دل غم سے بھر جاتا ہے اور پھر ضروری ہو جاتا ہے کہ کسی طرح دل کا یہ غبار ہلکا کیا جائے ورنہ شدتِ غم سے دل کے پھٹنے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے۔ اس لیے اہل غم رو کر اپنے دل کا غبار ہلکا کر لیا کرتے ہیں۔ یہ فطری تقاضا ہمیشہ سے انسان کے ساتھ رہا ہے اور انسان ہمیشہ ہی سے رو کر، فریاد کر کے اور نالہ و شہیون کے ذریعے اپنے دکھ درد کا اظہار کرتا ہے۔ رونے سے انسان کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ انسان رو رو کر اپنے دل کی آگ بجھاتا ہے۔ مومن کا کہنا ہے کہ ہمیں بھی اپنے دل کا غبار زکا لانے کے لیے بادل کی طرح رونا پڑا۔ مومن خان مومن کا کہنا ہے:

اب گریے میں ڈوب جائیں گے ہم

یوں آتشِ دل بجھائیں گے ہم

لیکن یہاں ایک اور عجب اتفاق ہوا ہے کہ ایک دوست دوسرے دوست یا ایک عاشق محبوب کے ہنسنے پر اسے داد دیا کرتا تھا۔ دوست یا محبوب جب مسکراتا تھا تو وہ اس کی تعریف کیا کرتا تھا۔ اس کی مسکراہٹ کی مختلف مثالیں بیان کیا کرتا تھا۔ وہ محبوب یا دوست کی مسکراہٹ کو ہنسی مذاق میں بجلی سا قرار دیتا تھا کہ تم جو مسکراتے ہو تو بجلیاں گراتے ہو۔ عدم کا کہنا ہے:

اُس کے ہنسنے کی کیفیت تو بہ!

جیسے بجلی چمک چمک جائے

اکبر الہ آبادی کا کہنا ہے:

مری بے تابی دل پر ادا سے مسکراتے ہیں
قیامت کرتے ہیں، بجلی پہ بجلی گراتے ہیں

لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ بات یوں سچ ثابت ہوگی کہ دوست کبھی اس پر سچ مچ مسکرائے گا، ہنسے گا اور محبوب کا یوں ہنسا اس کا دل دکھائے گا اور وہ دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے رو دے گا۔ اس طرح رونے سے دل کا غبار ہلکا ہوتا ہے اور جب دل کا غبار ہلکا ہو جائے تو انسان سوچنے سمجھنے کے قابل بھی ہو جاتا ہے اور پھر اسے غور کرنے کے بعد ایک عجیب احساس ہوتا ہے کہ وہ تو دوست کی مسکراہٹ کو مذاق سے برق تبسم کہا کرتا تھا جو سچ مچ بجلی بن گئی اور اس کے دل پر گری اور اسے رونا پڑا۔ یعنی جیسے بجلی چمکنے کے بعد بادل برستا ہے اسی طرح دوست یا محبوب کے ہنسنے کے بعد ہمیں رونا پڑا۔ آتش کا کہنا ہے:

روتا ہے ادھر ابر، ادھر ہنس رہی ہے برق
گریے سے کوئی خوش ہے، کوئی خندہ زنی سے

مختصر یہ کہ مومن کا موقف یہ ہے کہ ہم ہنسی میں محبوب کے مسکرانے کو بجلی کے چمکنے سے مطابقت دیتے تھے لیکن اب اگر بادلوں کی طرح رونہ ایس تب تک دل کا بوجھ ہلکا نہیں ہوتا۔ برق اور بادل کا فطری تعلق یہاں بھی کام کر گیا۔ جیسے برق چمکنے کے بعد ابر برستا ہے اسی طرح دوست یا محبوب کی مسکراہٹ کے بعد ہمیں رونا پڑا۔ یعنی ہمارے رونے کی مثال بادل کی طرح ہے اور تمہارے ہنسنے کی مثال بجلی کی طرح ہے۔ آتش کا کہنا ہے:

ہم چشم تر کو سامنے کرتے ہیں ابر کے
تم ہنس پڑو تو برق کا قصہ تمام ہے

شعر نمبر 6:

کیا گل کھلے گا، دیکھیے، ہے فصل گل تو دور
اور سوئے دشت بھاگتے ہیں، کچھ ابھی سے ہم

تشریح: حکیم مومن خان مومن اردو کے مشہور غزل گو شاعر تھے۔ وہ غالب کے ہم عصر اور دوست تھے۔ غم عشق اور غم زمانہ پر مبنی مومن کے اشعار زندگی کی محبتوں کے عکاس بھی ہیں اور حقیقتوں کے ترجمان بھی۔

زیر تشریح شعر میں مومن کہتے ہیں کہ ”دیکھتے ہیں کیا گل کھلتا ہے جب کہ بہار دور ہے اور ابھی سے اہل جنوں صحرا کی طرف بھاگتے ہیں۔“

اردو شاعری میں بہار اور جنوں کا ذکر لازم و ملزوم ہے۔ بہار کے موسم میں محبت کرنے والوں پر جنوں کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ موسم ہر چیز پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جب بہار آتی ہے تو پھول کھلتے ہیں، پرندے چہچہاتے ہیں، ہر طرف سبزہ اور ہریالی نظر آتی ہے، ماحول خوش گوار ہوتا ہے تو محبوب کی کمی کا احساس شدت اختیار کر جاتا ہے اور انسان اس ماحول میں گھٹن محسوس کرنے لگتا ہے اور اس پر جنوں کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ میر تقی میر کا کہنا ہے:

کچھ کرو فکر مجھ دوانے کی
دھوم ہے پھر بہار آنے کی

اردو شاعری کی روایت میں محبت کرنے والوں کا ذکر جب بہار کے موسم سے ہوتا ہے تو ایک طرف تو وہ ہمیں چاک گریباں نظر آتے ہیں اور دوسری طرف وہ ہمیں صحرا کی طرف بھاگتے دکھائی دیتے ہیں۔ قیس (مجنون) نے بھی اسی جنوں کے ہاتھوں صحرا کا رخ کیا۔ درحقیقت

جب موسم بہار میں ہر طرف حسن ہی حسن بکھرا ہوتا ہے تو انسان کو محبوب کی یاد شدت سے آتی ہے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر انسان اپنی محرومی کو برداشت نہیں کر پاتا اور وہ اپنے آپ سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ یہی جنون انسان کو دشت و بیاباں میں لے جاتا ہے۔ میر کا کہنا ہے:

گھر میں جی لگتا نہیں اُس بن، تو ہم ہو کر اُداس
دور جاتے ہیں نکل، ہجراں سے گھبرائے ہوئے

جوش ملیح آبادی کا کہنا ہے:

جا کے گوشے میں کسی صحرا کے رو لیتا ہوں میں
یاد آتی ہے جو اپنے گھر کی ویرانی مجھے

مومن خان مومن کا موقف یہ ہے کہ بہار کے آنے کے اثرات نہیں دکھائی دے رہے اور بہار سے پہلے ہی ہم پر جنوں طاری ہونے لگا ہے۔ یہ جنون ہمیں صحرا اور بیاباں کی طرف کھینچ رہا ہے۔ چوں کہ بہار کا موسم بہت دور ہے اور بہار سے قبل ہی ہم پر جنوں طاری ہونے لگا ہے اس لیے ہم بہار کا انتظار نہیں کر سکتے اور ہم جنوں، دیوانگی، وحشت کی کیفیت میں ابھی سے صحراؤں کا رخ کر لیتے ہیں۔ جگر مراد آبادی کا کہنا ہے:

سوئے صحرا نکل پڑے وحشی
انتظار بہار کون کرے؟

مومن خان مومن کا موقف یہ ہے کہ بہار سے قبل ہی ہم جنوں اور وحشت کا شکار ہو کر صحراؤں کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ جب بہار سے پہلے جنوں کی یہ کیفیت ہے تو جب بہار کا موسم آجائے گا تو اُس وقت نہ جانے کیا حالت ہوگی۔ ہمارا یہ حال ہے کہ ہمیں جوش جنوں صحرا کو لیے جاتا ہے۔

قیس جنگل میں اکیلا ہے، مجھے جانے دو

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو (میان داد خاں سیاح)

شعر نمبر 7:

لے نام، آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومن نہ ہوں، جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

مفہوم:

آرزوئیں دل میں پیدا ہوتی ہیں اور آرزو کا پیدا ہونا ایک نئی بات ہے۔ اب اگر دل نے یہ نئی راہ نکالی تو ہم اسے سینے سے نکال کر پھینک دیں گے۔

☆☆☆☆☆